www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

مولانا محب اللہ شاہ راشدی

اذانِ عثمانی ؓ کا علمی و تحقیقی جائزہ

احضار اللمعۃ لتحقیق الاذان یوم الجمعۃ

الحمد لله الذی فضل یوم الجمعة علی سائر ایام الاسبوع، وأمر عبادهٗ ان یذروا البیع إذا نودی للصلو ة فی هذا الیوم ویسعوا الی ذکره المشروع والصلو ة والسلام علی سیدنا محمد الذی أرسله الله الی الناس کافة..... امابعد!

کافی عرصہ پہلے بھی یہ مسئلہ چل نکلا تھا کہ جمعہ کے دن سیدنا حضرت عثمان ؓ نے ایک اذان جو شروع کرائی تھی وہ اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ بعض جواز یا مندوب کے حق میں تھے جبکہ بعض اس کو بدعت قرار دے کر ناجائز سمجھتے تھے۔

حال ہی میں مولانا ثناء اللہ مدنی نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ جو ہفت روزہ "الاعتصام" میں شائع ہوا ہے، اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مولانا عبید اللہ عفیف کا مقالہ اسی "الاعتصام" میں چار قسطوں میں شائع ہوا جس میں مولانا کی رائے اس کے مطلق جواز کے خلاف ہے۔ ان کے مقالہ سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ یہ بدعت ہے۔ راقم اثیم کو حضرت مولانا کے مقالہ میں چند مؤاخذات نظر آئے اور نظر غائر ڈالنے سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ مولانا نے اس مقالہ میں کوئی ایسی مستحکم اور مدلل بات بیان نہیں فرمائی جس سے جواز یا نُدب کے حامیوں کا

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

موقف بالوضاحت کمزور نظر آئے۔ اس لئے محض احقاقِ حق کی نیت سے راقم الحروف نے ارادہ کیا کہ وہ بھی اس موضوع پر کچھ خامہ فرسائی کرے۔ اس لئے قلم اٹھایا اور یہ مقالہ تحریر کرنا شروع کردیا اگر یہ صواب ہو تو یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اس کا فضل ہے۔ اگر دوسری بات ہوئی تو یہ میرے ناقص علم و فہم کا نتیجہ ہے۔ واللہ ولی التوفیق وھو حسبی و نعم الوکیل

(۱) سیدنا حضرت عثمان ؓ کی اس اذان کو بدعت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کا یہ فعل اجتہادی و استنباطی ہے۔

استنباط و اجتہاد کسی اصل سے ہی کیا جاتا ہے، جیساکہ اس مسئلہ میں ہے، بدعت وہ ہے جس کی کوئی اصل بالکل نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں نمازِ فجر کے وقت سے پہلے بھی ایک اذان آپ ﷺ کے ہی حکم سے دی جاتی تھی اور پھر طلوعِ فجر کے بعد ایک اور اذان جو دخولِ وقت کا اعلان ہوتی، دی جاتی تھی اور صحیح حدیث میں اس پہلی اذان کے مقصد کو وضاحت سے بیان کیا گیاہے۔ اسی طرح اذانِ عثمانی میں بھی قریب قریب یہی مقصد تھا اور ہے۔ لہٰذا ان کا استنباط صحیح ہے، حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت عثمان ؓ کا یہ فعل استنباطی مانتے ہیں گو انہوں نے استنباط کا اصل دوسرا بتایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

> "و تبیّن مما مضی ان عثمان أحدثه لاعلام الناس بدخول وقت الصلوة قیاسا علی بقیة الصلوٰت فألحق الجمعة بها........ و فیه استنباط معنی من الاصل لا یبطله.....اھ فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۴

> "جو کچھ گذر چکا اس سے ظاہر ہوگیا کہ حضرت عثمان ؓ نے اس اذان کا اضافہ لوگوں کو نماز کے وقت کے دخول کا اعلان کرنے کے لئے کیا تھا بقیہ نمازوں پر قیاس کرتے ہوئے جمعہ کو بھی ان سے ملحق کرلیا..... اور اس میں اصل سے ایک معنیٰ کا استنباط ہے جس کو اصل باطل نہیں کرتا"

جب ایسے حافظ و محدثین اذانِ عثمانی کو مستنبط قرار دے رہے ہیں گو اس اصل میں جس

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

سے یہ مستنبط ہے اس کے بیان میں وہ مختلف ہیں لیکن مستنبط ہونے میں وہ ہمارے ساتھ متفق ہیں تو دوسروں کو بھی حق ہے کہ اس کو کسی دوسرے اصل سے مستنبط قرار دیں۔

ہماری نظر میں اذانِ عثمانی کا نماز فجر کی اذانِ اول والے اصل سے مستنبط ہونا زیادہ قرین قیاس اور محکم موقف معلوم ہوتا ہے۔ اور ہم یہی سمجھتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ استنباط ہی تصور کیا اور ان کے استنباط کو صحیح قرار دیا اس لئے انہوں نے اس فعل پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی حرف گیری نہیں کی جیساکہ ابنِ حمید اپنی تفسیر میں، ابن المنذر اور ابن مردویہ نے اس سلسلہ میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے جو روایت ذکر کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"فلم يعب الناس ذلك عليه و قد عابوا عليه حين أتم الصلوة بمنى"

(الدر المنثور للعلامة السيوطي والاجوبة النافعة للعلامة الالباني)

"تو لوگوں نے اس اذان ثانی کی زیادت پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عیب جوئی نہیں کی حالانکہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں نماز پوری پڑھی (قصر نہیں کیا) تو لوگوں نے ان پر حرف گیری کی"

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا منیٰ میں نماز قصر نہ کرنا بلکہ پوری (حضر والی) پڑھنا تو لوگوں کے مؤاخذہ کا سبب بنی اگرچہ اس کی بھی صحیح دلیل سنت میں موجود تھی۔ امام دار قطنی اپنی سنن میں صحیح سند سے سیدنا اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھیں۔ انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول! آپ نے تو سفر میں افطار کیا لیکن میں نے روزہ رکھا آپ نے نماز قصر کی اور میں نے پوری پڑھی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! "تو نے بھی اچھا کیا"

مقصد یہ کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے منیٰ میں پوری نماز پڑھنے کی بھی دلیل موجود تھی۔ تاہم چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ہمیشہ قصر ہی کیا تھا اس لئے لوگوں

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بات پر تو حرف گیری کی لیکن جمعہ کے دن اذانِ ثانی کی زیادت پر کوئی مؤاخذہ نہیں کیا۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مخالف ہوتا اور کسی نص سے مستنبط نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ جلیل القدر جماعت قطعاً خاموش نہ رہتی حالانکہ اس وقت عشرہ مبشرہ میں سے (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۳) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ (۴) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ (۵) حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ میں وفات پائی، غالب گمان یہی ہے کہ اس اذان کے اضافہ کے وقت وہ بھی موجود تھے اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی ان کے متعلق بھی یہی گمان ہے کہ وہ اس اذان کے اضافہ کے وقت موجود تھے اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدعت کے سلسلے میں بہت سخت تھے۔

ایک مرتبہ چند لوگوں کو مسجد میں مجتمع ہو کر چند اذکار "سبحان اللہ" "الحمدللہ" "لاالہ الا اللہ" اور "اللہ اکبر" وغیرہ پڑھتے دیکھا۔ ان اذکار کے پڑھنے کا اجر و ثواب احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے تاہم یہ لوگ ان اذکار کو کچھ ایسی ہیئت میں اکٹھے ہو کر پڑھ رہے تھے کہ یہ ہیئت حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو سخت ناپسند ہوئی اور ان لوگوں کو بہت ڈانٹا اور سخت سُست کہا۔ جب یہ بزرگ ہستیاں اتنی بدعت بھی برداشت نہ کر سکیں تو ان کے متعلق یہ خیال رکھنا کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بات کو خاموشی سے برداشت کر لیا اور ان کو اتنا بھی ٹوک نہ سکے کہ اے امیرالمومنین آپ یہ کیا کر رہے ہیں، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے انحراف کر رہے ہیں حالانکہ (ہمارے موجودہ بزرگوں کے کہنے کے مطابق) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق یا حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک میں بھی اس کے متقاضی اسباب تھے لیکن پھر بھی انہوں نے اس کا اضافہ نہیں کیا، آپ اب کیوں اضافہ کر رہے ہیں؟

اِن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ بہترین جماعت تو ایسی حق گو تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بارُعب خلیفہ کو بھی ببانگِ دھل حق کہہ دیتے تھے حتیٰ کہ عورتیں تک ان کو کلمۂ حق کہنے کی جرأت رکھتی تھیں تو ایسے حق گو صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ حضرت عثمان غنی

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

رضی اللہ عنہ جیسے حلیم الطبع نرم دِل انسان کو کلمۂ حق کہنے سے ڈرتے تھے یا انہوں نے دانستہ اس سے پہلو تہی کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بات پر اعتراض نہ کرنا بلکہ اس پر اپنی خاموشی سے اظہارِ پسندیدگی کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس بات کو سنت سے مستنبط سمجھا، اس کے استنباط کو صحیح تصور کیا لہٰذا اسی لئے خاموش رہے۔ اسی طرح ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا تھا کہ "تم میری سنت اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو" تو اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ علم عطاء کیا تھا کہ میرے یہ خلفاءِ راشدین میری سنت کے خلاف نہیں کریں گے۔ جو بھی عمل کریں گے وہ آپ ﷺ کی سنت ہی ہوگی یا ان کی سنت سے مستنبط و ماخوذ۔ اس لئے ان کی سنت سے تمسک کی بھی واضح طور پر ہدایت فرمائی۔ لہٰذا جب یہ اذانِ ثانی رسول اکرم ﷺ کی سنت سے ہی ماخوذ مستنبط ہے تو یہ سنت کے خلاف نہ ہوئی اور نہ ہی اس کو بدعت کہا جاسکتا ہے۔ باقی رہے ہمارے محترم مولانا عبیداللہ صاحب عفیف حفظہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے صاحب سُبل السلام کی اتباع میں سنۃ الخلفاء الراشدین کو "طریقِ نظام حکومت" میں ہی محدود رکھا ہے تو افسوس! ہم ان سے اس بات پر اتفاق کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ "طریقِ نظام حکومت" کے بارے میں بھی کتاب وسنت کے ارشادات اور رہنما اصول موجود ہیں اس لئے وہ خلفاءِ راشدین "طریقِ نظام حکومت" بھی ان اصول و ارشادات کے پابند رہ کر ہی عمل میں لاسکتے تھے، ان سے انحراف کرکے کوئی نظام حکومت چلانے کے وہ قطعی طور پر مجاز نہ تھے اور اب بھی مسلم ممالک ان اصول وارشادات کے ماتحت رہ کر ہی کسی طریقِ نظام حکومت پر عمل پیرا ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ کے ان خلفاءِ راشدین کی سنت سے تمسک والے ارشاد کے کیا معنی ہوئے؟ اور ان کی سنت کا خصوصیت سے ذکر کرنے کا کوئی خاص فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔ اس دُور کی کوڑی لانے کی بجائے اگر یہی کہا جائے کہ چونکہ ان خلفاء راشدین کی سنت، سنۃُ الرسول ﷺ ہی ہوگی، یا آپ ﷺ کی سنتِ مطہرہ سے مستنبط۔ اس

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

لئے خاص طور پر ان کی سنت سے تمسک کا یہ ارشاد صادر ہوا، اور اس میں کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ لیکن خلفاءِ راشدین کے علاوہ دوسرے لوگوں کی یہ خصوصیت نہیں کیونکہ وہ بسااوقات سنت سے انحراف بھی کریں گے اور عملاً چند باتوں میں ان سے انحراف سرزد ہوا بھی۔

مولانا محترم نے خلفاءِ راشدین کی چند باتوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ یہ باتیں سنت کے خلاف ہیں اور اہلِ حدیث حضرات بھی ان پر عمل نہیں کرتے۔

اس کے بارے میں یہ گذارش ہے کہ خلفاءِ راشدین معصوم نہیں تھے ان پر نسیان بھی طاری ہو جاتا تھا اور کبھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے امتحاناً (یعنی وہ حق کی طرف رجوع کرتے ہیں یا نہیں) ان کو کسی بات کے بارے میں فی الوقت ذہول بھی ہو جاتا تھا۔ لیکن جیسے ہی ان کو معلوم ہو جاتا کہ ان کا یہ فتویٰ یا بات کتاب و سنت کے خلاف ہے تو فوراً اس سے رجوع فرمالیتے۔

جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجنونہ جس سے زنا کا صدور ہوا کے متعلق رجم کا حکم دیا تھا اور عورتوں کے مہر کے بارے میں فرمایا کہ جتنا آنحضرت ﷺ نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو دیا تھا اس سے زائد نہ دیا جائے۔ اگر کسی نے زیادہ دیا تو وہ اس سے چھین کر بیتُ المال میں جمع کردیا جائے گا لیکن جیسے ہی انہیں معلوم ہوا کہ ان کا حکم کتاب و سنت کے خلاف ہے تو اسی وقت رجوع فرمالیا۔

رہی یہ بات کہ انہوں نے ایک مجلس کی طلاقِ ثلاثہ کو تین قرار دیا تو یہ بات اسی حدیث میں موجود ہے کہ ان کا یہ امر اس کو سنتِ متبعہ بنانا نہ تھا بلکہ یہ امر محض تعزیراً تھا، یعنی طلاقِ مسنون تو یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے اسی طرح لوگوں کو اپنی رفیقہ حیات سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جانے سے پہلے اس پر غور و فکر کا موقع ملتا ہے کہ آیا میں اس سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جاؤں یا نہیں۔ گو ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں، لیکن پھر بھی ایک نئی مجلس میں تین طلاقیں دینا سنت کے خلاف ہے۔ لہٰذا جب لوگوں نے اس سنت کے خلاف دھڑا دھڑ ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینی شروع کردیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سنت کی خلاف ورزی کرنے سے لوگوں کو باز رکھنے کے لئے یہ حکم نافذ کردیا کہ چلو جب تم سنت کے خلاف کام کرنے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

سے باز نہیں آتے تو ہم بھی ان ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیتے ہیں یعنی یہ حکم محض تعزیری تھا۔ جو سنت کی خلاف ورزی سے لوگوں کو باز رکھنے کے لئے کیا گیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے انتہائی اقدام کے بغیر لوگ اس چیز کو چھوڑنے کے لئے ہرگز تیار بھی نہ ہوتے۔

بہرحال یہ حکم "صحیح یا غیر صحیح" لیکن محض تعزیری تھا۔ پس یہ قانون کی حیثیت اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ اس لئے سب کے سب لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا، اور یہی وجہ ہے کہ جماعت اہلحدیث کثراللہ سوادھم بھی اس پر عمل نہیں کرتی۔ رہی حج تمتع والی بات .... تو ہمارے خیال میں یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی۔ وہ غالباً، واللہ اعلم، "حِج قران یا افراد" کو افضل سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان میں محنت وجُہد زیادہ ہے اور انہوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں جو لوگوں سے حج کے احرام کو کھول کر عمرہ بنانے اور بعد میں آٹھویں ذوالحجہ سے دوبارہ حج کے احرام باندھنے کا حکم فرمایا، یہ اس لئے تھا کہ ان لوگوں کے ذہنوں پر یہ غلط تصور ثبت تھا کہ اشہرالحج میں عمرہ مناسب نہیں اور ان ایام میں وہ عورتوں کے پاس جانا بھی معیوب خیال کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں واضح طور پر آیا ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ یہ اجتہادی غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ ایک اَجر سے تو محروم نہیں ہوسکتے نیز یہ بات کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمتع کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ حج قران یا افراد کو صرف افضل تصور فرماتے تھے، اس سے ظاہر ہے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم خصوصاً ان کے بیٹے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان سے اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے تھے اور وہ تمتع کرتے رہتے تھے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زبردستی ان کو نہیں روکا اگر اس کو ناجائز سمجھتے ہوتے تو ضرور ان کو زبردستی روک دیتے۔ واللہ اعلم

بہرحال ان باتوں کو خلفاء راشدین کے سلسلہ میں اس طرح پیش کرنا کہ یہ کام انہوں نے سراسر سنت کے خلاف، رزی کرتے ہوئے کئے، ان بزرگ ہستیوں کے حق میں سوئے ظن کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر ہمارے کرم فرما حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استنباط کو بھی اجتہادی غلطی قرار دیتے تو یہ معاملہ کافی حد تک قابل برداشت بن جاتا۔ یہ بات بھی ہم علی وجہ التنزل کہتے ہیں ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کی وجہ سے ہمارے نزدیک اس کو اجتہادی غلطی کہنا بھی مسلّم نہیں۔ لیکن

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

........افسوس یہ بزرگ تو اس کو بدعت ہی میں لاکر چھوڑنے پر مُصر ہیں فالی اللہ المشتکی

علامہ ناصرالدین البانی جو محقق العصر ہیں اور انہوں نے واقعۃً کتاب و سنت کی نہایت بہترین خدمات انجام دی ہیں، افسوس وہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں انصاف نہیں کرسکے ایک طرف وہ "صلوٰۃ النبی" ﷺ میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے اس قول کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد "السلام علیک ایھا النبی" کی جگہ "السلام علی النبی" پڑھنا شروع کیا اور عطاء بن ابی رباح کے اس اثر، جس میں یہ ہے کہ "آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی وفات کے بعد "السلام علی النبی" پڑھتے تھے۔

ان دونوں کے متعلق علامہ البانی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ فعل یا تصرف "توقیف" ہے، یعنی رسول اکرم ﷺ سے مروی کسی نص کی بناء پر انہوں نے یہ تصرف یا تغیر کیا حالانکہ ایسی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، جس میں یہ ارشاد ہو کہ میری رحلت کے بعد تم "السلام علی النبی" پڑھنا۔ پھر بھی علامہ صاحب ان چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس تصرف کے متعلق یہ حُسنِ ظن رکھتے ہیں کہ ہو نہ ہو یہ "توقیف" ہے لیکن دوسری طرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جو خلیفہ راشد بھی ہیں۔ ان کے اس عمل کو اتنا شک کا فائدہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں کہ ان کا یہ فعل اجتہادی اور استنباطی تھا۔ گو علامہ موصوف اس استنباط کو صحیح قرار دیں یا غلط؟ لیکن کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسی بزرگ ہستی اس حُسنِ ظن کی بھی مستحق نہیں سمجھی گئی بلکہ اس کو بدعت بنانے کے لئے کبھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا جاتا ہے اور کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بلاسند عمل نقل کیا جاتا ہے اور کبھی حسن بصریؒ یا امام زہریؒ کا قول......فانا للہ وانا الیہ راجعون

حیرت یہ ہے کہ بعض حضرات (جو اذانِ عثمانی کے خلاف ہیں) چند صحابہ رضی اللہ عنہم کا آنحضرت ﷺ کی رحلت کے بعد "السلام علی النبی" پڑھنے کے متعلق "اجماعِ صحابہ" رضی اللہ عنہم کا دعویٰ کرنے سے بھی نہیں چوکتے حالانکہ یہ دعویٰ بالکل غلط بھی ہے، ہم ان شاء اللہ اس کے بارے میں اپنی گذارشات آگے پیش کریں گے۔

بہرکیف ان تمام معروضات کا یہ مقصد ہے کہ اولاً تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ حکم استنباطی

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہے لہٰذا اس کو بدعت کہنا اصولاً صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے۔ اور اذانِ عثمانی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے لہٰذا یہ بدعت نہیں بلکہ مشروع ہے۔

اس (اذانِ عثمانی) پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کی پہلی دلیل تو وہ روایت ہے جو اس سے پہلے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے ذکر کر چکے ہیں۔ جس میں یہ صراحت ہے کہ لوگوں نے اس اذان کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کوئی حرف گیری نہیں کی۔ لوگوں سے مراد اس جگہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں جب ان سب کے سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو استحسان کی نظر سے دیکھا اسی لئے ان پر کوئی حرف گیری نہ کی تو معلوم ہوا کہ اس پر ان کا اجماع ہو گیا تھا۔ دوسری دلیل یہی حضرت سائب بن یزید کی حدیث ہے، جو صحیح بخاری وغیرہ میں ہے۔

صحیح بخاری والی حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

"فثبت الامر علی ذلک" صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۷ بتحقیق ابن باز حفظہ اللہ تعالٰی

پھر یہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل (سب بلادِ اسلامیہ میں جو اس وقت تھے) باقی اور ثابت رہ گیا۔

اور صحیح ابن خزیمہ میں اسی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

"فثبت ذلک حتی الساعة" نقلا عن فتح الباری ج ۲، ص ۳۹۴

پھر یہ عمل (اذانِ عثمانی) اس وقت تک اسلامی قلم رو میں ثابت رہ گیا۔

اس پر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"والذی یظهر ان الناس أخذوا بفعل عثمان فی جمیع البلاد اذ ذالک لکونه خلیفة مطاع الامر" (فتح الباری ج ۲، ص ۳۹۴)

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ان الفاظ (فثبت الامر.... الخ) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت جتنے شہر تھے،

ان سب کے لوگوں نے اس عمل عثمانی کو قبول کرلیا تھا کیونکہ وہ (برحق) خلیفہ تھے ان

کے امر کی اطاعت کی جاتی تھی"

یہ الفاظ "فثبت الامر علی ذلک" امام زہری کے ہوں یا حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے ہوں جو انہوں نے امام زہری سے کہے۔ دونوں صورتوں میں یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ امام زہریؒ کے عہد تک اس عمل میں کہیں تبدیلی نہیں آئی تھی۔ یہ روایت اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی ہے۔ امام زہریؒ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد کو پہنچ نہیں سکے۔ لہٰذا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور حکومت میں اذان عثمانی کو کوفہ میں موقوف کردیا تھا تو اس کا پتہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ یا امام زہریؒ کو لازمی طور پر ہوتا اس کے بعد وہ کیسے یہ کہہ سکتے تھے کہ اس وقت تک بلادِ اسلامیہ میں یہ اذانِ عثمانی ثابت رہ گئی ہے۔

حالانکہ وہ دارُالحکومت کوفہ میں بند ہو چکی تھی؟

اگر واقعۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس قسم کی کوئی روایت یا سند ہوتی تب بھی صحیح بخاری وغیرہ کی اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں وہ مرجوح ہی ہوتی چہ جائیکہ اس اثر کی کوئی سند ہی نہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے مغرب کی بات تو کی ہے کہ اس کے متعلق مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک والی اذان پر اکتفاء کیا جاتا تھا (اگرچہ محدثانہ اصول کے مطابق اس پر بھی یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ مُبلّغ (بکسر اللام) کون ہے اور یہ خبر کہاں تک معتمد علیہ ہے) تاہم انہوں نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر کا ذکر نہیں کیا اگر یہ صحیح ہوتا تو حافظ صاحب "فثبت الامر..... الخ" پر تبصرہ کرتے ہوئے ضرور یہ فرماتے کہ "لیکن یہ عمل کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں بند ہو گیا تھا"

جبکہ حافظ صاحبؒ نے ایک لفظ بھی اس سلسلہ میں نہیں کہا، کیا یہ عجیب بات نہیں؟ بڑے افسوس کی بات ہے کہ علامہ البانیؒ حفظہ اللہ تعالیٰ جیسا وسیع المطالعہ اور محقق جو احادیث و روایات کے سلسلہ میں کافی احتیاط و تشدد اختیار کرتے ہیں اور اسانید پر ہر پہلو سے بحث فرماتے ہیں نیز اگر

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

سند کے ہوتے ہوئے بھی اس میں ذرا سی علت کا سراغ مل جاتا ہے تو اسے حسن کے درجہ سے بھی گرا کر ضعیف قرار دے دیتے ہیں لیکن زیر بحث مسئلہ میں وہ چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت میں نہ تھے اس لئے اپنے موقف کے اثبات کے لئے "الاجوبة النافعة" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر "یعنی انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں عثمانی اذان کو کوفہ میں بند کر دیا تھا" بلا تحقیق نقل فرما کر صرف تفسیر قرطبی کا حوالہ دے کر چلتے بنے۔ ایسے محققُ العصر سے ایسی بات کا صدور کتنا انوکھا دکھائی دے رہا ہے!

جبکہ اس اثر کو اس طرح تحریر فرمایا گویا یہ بات باسند ثابت شدہ حقیقت ہے.... فیا للعجب!

پھر مولانا عبید اللہ عفیفؒ حفظہ اللہ تعالیٰ نے بھی عجیب ستم ظریفی کا مظاہرہ فرمایا کہ بلا تحقیق محض علامہ البانی کی تحریر کو حرفِ آخر تصور فرما کر قُرطبی کی تفسیر ہی کا حوالہ دے دیا اور ہفت روزہ "الاعتصام" میں ان کے طرزِ تحریر سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھے ہوئے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والا یہ اثر صحیح و ثابت ہے۔ ہم نے تفسیر قرطبیؒ کو دیکھا تو واضح ہوا کہ انہوں نے یہ اثر تو ضرور نقل کیا ہے لیکن نہ تو اس کی سند ذکر کی ہے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس فعل کے بلاواسطہ راوی کا ہی نام تحریر کیا اور نہ ہی کسی مستند کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

امام قرطبیؒ نے ساتویں صدی ہجری میں وفات پائی۔ چنانچہ ان کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان کم از کم کتنے وسائط ہونے چاہئیں، یہ اہل علم بالحدیث بخوبی جانتے ہیں، لیکن یہ وسائط کیسے ہیں ثقہ یا ضعیف، اس سلسلے میں کچھ پتہ نہیں۔ ایسے غیر مستند اثر کو لے کر اس خارزار میں کود پڑنا اہل حدیث علماء کو زیب نہیں دیتا۔ علامہ البانی کا مطالعہ نہایت وسیع ہے اور ان کی نظر سے بہت سی ایسی کتب احادیث و روایات بھی گذری ہیں جو ہم نے نہیں دیکھیں۔ اگر یہ اثر باسند کسی مستند کتاب میں ان کی نظر سے گذرا ہوتا تو وہ صرف تفسیر قرطبی کے بے سند اثر کے حوالہ دینے پر ہرگز اکتفاء نہ کرتے اور مولانا عبید اللہ صاحب کو بھی یہ مناسب نہ تھا کہ وہ بلا تحقیق اس اثر کو اپنے مقالہ میں تحریر فرماتے۔ محدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تو ان روایات کی اسانید کے بارے میں (جو احکام عقائد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شئون سے متعلقہ ہیں) کافی چھان بین کرتے اور نہایت احتیاط سے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کام لیتے ہیں- لیکن ہمارے مولانا نے تو یہ زحمت بھی اٹھانی ضروری نہیں سمجھی کہ وہ کم از کم یہ دیکھ لیتے کہ آیا اس اثر کی کوئی سند بھی ہے یا نہیں- پھر اس بلاسند اثر کو لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو ذوالنورین خلیفہ راشد اور آنحضرت ﷺ کے بعد تیسرے نمبر پر (جمہور اہل سنت کے نزدیک) افضل خلیفہ تھے، کے اس فعل کو دَبے الفاظ میں بدعت قرار دے رہے ہیں- میں تو سمجھتا ہوں کہ ایک صحیح العقیدہ اہل سنت والجماعت مسلمان کے لئے تو اس قسم کے انتساب کا تصور بھی سوہانِ روح ہو گا لیکن کیا کیا جائے- وللناس فیما یعشقون مذاهب.....!

ایک طرف تو مولانا اور ان کے ہم نوا اس کو بدعت قرار دیتے ہیں پھر اضطراری حالت کے تحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی وکالت بھی کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ بے اختیار "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کا نمونہ سامنے آجاتا ہے- فرماتے ہیں: یہ ایک ہنگامی اور وقتی ضرورت تھی جس کے پورا کرنے کے لئے یہ اذان زیادہ کی گئی اب یہ ضرورت چونکہ ختم ہو گئی ہے لہٰذا اس سے پرہیز ہی اولیٰ ہے-

ہماری گذارش یہ ہے کہ

> یہ ہنگامی یا وقتی ضرورت اب ختم ہو گئی ہے یا نہیں اس کو تو آپ سردست نہ چھیڑیں، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کوئی آدمی گو وہ خلیفہ راشد ہی ہو کیا اس امر کا مجاز بھی ہے یا نہیں کہ وہ کسی ہنگامی حالت میں "احداث فی الدین" کرے؟
>
> اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو ان اعذار کے پیش کرنے کی زحمت کیوں اٹھائی جارہی ہے؟ ان اعذار سے تو آپ اور بھی زیادہ اس الزام کو مضبوط بنا رہے ہیں جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر لگایا جارہا ہے- لہٰذا آں محترم اگر اپنے موقف کو صحیح سمجھتے ہیں تو جرأت سے کام لیں اور صاف لفظوں سے اعتراف فرمائیں کہ واقعۃً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس فعل سے احداث فی الدین کے مرتکب ہو گئے تھے- العیاذ باللہ لیکن اس فتویٰ سے پیشتر یہ بھی سوچ لیجئے کہ اتنی بڑی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو اس پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کوئی حرف گیری نہیں کی، ان کا کیا بنے گا؟

اس کا جواب میں آپ پر ہی چھوڑتا ہوں۔

بہرصورت حضرت علی ؓ کا یہ اثر بالکل بے سند ہے، للذا معرضِ استدلال میں اسے پیش کرنا اہل حدیث علماء کی شان سے بمراحل بعید ہے اس اثر پر اس نہج سے بھی غور کیا جائے کہ اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی ؓ نے دارالخلافہ کوفہ میں عثمانی اذان بند کردی تھی۔ جس کا واحد سبب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو بدعت تصور فرماتے تھے۔ اگر یہی بات ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اس کو بدعت یا اِحداث فی الدین ہی تصور کرتے تھے تو انہوں نے حضرت عثمان ؓ کے سامنے یہ کلمۂ حق کیوں نہیں کہا؟ نہ کہنے کی بظاہر دو ہی وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔

(ا) حضرت علی ؓ کو حضرت عثمان ؓ کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت نہیں تھی۔

(ب) جرأت تو تھی لیکن انہوں نے دانستہ منافقت اختیار کی اور کلمۂ حق کہنے سے گریز کیا نعوذ باللہ (لیکن کوئی صحیح العقیدہ اہل السنہ والجماعت میں سے ان دونوں باتوں میں سے ایک کا بھی حضرت علی ؓ کی جانب انتساب کرنا کسی صورت جائز نہیں سمجھے گا۔)

اس سے واضح ہو گیا کہ یہ اثر روایۃً و درایۃً ناقابل اعتبار ہے۔ پھر مولانا گھڑیوں کی بات بھی کرتے ہیں یعنی اس وقت گھڑیاں نہیں تھیں۔ آج ان کی ایجاد سے کافی سہولت ہو گئی ہے لیکن کیا گھڑیوں کی ایجاد نے، نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لئے جو ارشادات شریعتِ مطہرہ نے دیے ہیں ان سے مستغنی کر دیا ہے؟ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ موسم سرما میں گھڑیوں کے مطابق جس وقت زوال ہوتا ہے موسم گرما میں اسوقت ابھی تو استواء ہی ہوتا ہے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بلکہ کبھی استواء ہی نہیں ہوتا زوال تو اس کے بھی بعد ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ہماری مسجد کے مؤذن نے گھڑی میں دیکھا اور سمجھا کہ ظہر کا وقت ہو گیا ہے کیونکہ اس دن سے پندرہ بیس دن پیشتر اسی ٹائم پر اذان دیا کرتا تھا لیکن ہم نے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ابھی زوال تو ہوا نہیں اس لئے دس بارہ منٹ بعد پھر اذان دلوائی۔

شریعتِ مطہرہ نے ظہر کے لئے زوال، عصر کے لئے سایہ کا ایک مثل ہونا، مغرب کے لئے سورج کا غروب ہونا، عشاء کے لئے شفق کا غائب ہونا۔ اور صبح کی نماز کے لئے فجرِ صادق کا طلوع ہونا...... نمازوں کے اوقات کے لئے علامات مقرر کی ہیں۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں یہ علامات ہی معتبرہ تھیں اسی طرح اس وقت بھی گھڑیوں وغیرہ کی ایجاد کے باوجود نماز کے اوقات کے لئے یہی علامات متعین و معتبر ہیں۔

لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان کا ہی اضافہ کریں۔ وہ خلیفہ مُطاع الامر تو تھے ہی لوگوں کو تاکیداً حکم فرما دیتے کہ جمعہ کے دن جب استواء ہو جائے تب تم مسجد کی طرف آنے کی تیاری کرو اور گھروں سے نکل کر مسجد کی جانب روانہ ہو جاؤ تاکہ جیسے ہی زوال ہو تو تم خطبہ کا بھی استماع کر سکو اور نماز میں بھی ابتداء ہی سے شامل ہو سکو۔ خواہ مخواہ ایسے فعل کا ارتکاب کیوں کیا؟، جو آپ کے خیال کے مطابق اِحداث فی الدین ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکور اثر کے سلسلہ میں میری آخری گذارش یہ ہے کہ اگرچہ ہمارے محترم دوست مولانا ثناء اللہ صاحب مدنی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیح فرض گردانتے ہوئے اس کی بہترین توجیہ پیش فرمائی لیکن جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں اور جہاں تک

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

میرا مبلغِ علم ہے اور میری ناقص جستجو کا تعلق ہے، اس اثر کی کوئی سند مجھے نہیں مل سکی۔ اگر علامہ البانی، مولانا عبیداللہ صاحب اور ان کے ہم نوا کسی مستند کتاب سے یہ اثر مذکور صحیح سند کے ساتھ دکھادیں تو میں اپنے موقف پر نظرثانی کرنے کے لئے تیار ہوں۔ ﴿ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ ﴾

اسی طرح ہمارے محترم مولانا صاحب، علامہ البانی اور چند دوسرے بزرگ، صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس اجماع کی نفی کے لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر بھی پیش فرمادیتے ہیں۔

جیساکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں جید سند کے ساتھ اُن سے مروی ہے کہ وہ اس اذانِ عثمانی کو بدعت قرار دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی جلالتِ قدر سے انکار نہیں اور ان کی فقاہت بھی مُسلّم ہے۔ لیکن کیا ان سے غلطی سرزد نہیں ہوسکتی تھی؟ یہی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کہ صلوۃُ الضحیٰ کو بدعت کہتے تھے۔ (دیکھئے "بخاری شریف مع فتح الباری وغیرہ) حالانکہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے قولاً و فعلاً صلوۃ الضحیٰ کی حدیثیں روایت کی ہیں لہٰذا ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت کی تغلیط کرکے صرف ان کی بات کو صحیح مان کر عثمانی اذان کو بدعت قرار دینا قرینِ عقل و قیاس معلوم نہیں ہوتا اس لئے اولیٰ تو یہی ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تطبیق کی صورت نکالی جائے اور وہ یہی ہوسکتی ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے اس قول کا مطلب یہ لیا جائے کہ یہ اذان بعینہٖ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مروّج نہیں تھی گو نص سے مستنبط ہونے کی وجہ سے یہ بدعتِ سیئہ یا اِحداث فی الدین نہیں ہے۔ حضرت ابن عمر رضی

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اللہ عنہما کے والد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی باجماعت تراویح کو بدعت کہا تھا لیکن ساتھ ہی اس کو "نِعمتْ" بھی کہا یعنی یہ اچھی بدعت ہے یہ اس لئے کہ باجماعت تراویح تو خود آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے پھر بدعت کیسی۔ لیکن اس باجماعت تراویح کا چونکہ عہدِ نبوی میں طریقہ باقی نہیں رہا اس لئے اس استمرار کو انہوں نے بدعت کہا یعنی اصل تو ثابت ہے جس کی وجہ سے وہ اچھی ہے اور استمرار بعد میں ہوا اس لحاظ سے اس کو بدعت بھی کہہ دیا۔ لیکن چونکہ اصل موجود ہے اس لئے یہ بدعتِ سیئہ نہیں ہے۔ بعینہ اسی طرح ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ اذانِ عثمانی کا اصل تو موجود ہے لیکن بعینہ اسی ہیئت میں اس وقت موجود نہ تھی اس لئے اس کو صحابی رضی اللہ عنہ نے لغوی اعتبار سے تو بدعت کہہ دیا لیکن چونکہ اصل موجود ہے اس لئے اصطلاحی بدعت نہیں کہا جائے گا۔

خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صلوٰۃُ الضحیٰ کو بدعت کہنے کے باوجود اس کو "نِعمتْ" بھی کہتے تھے یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔ (دیکھئے کتبِ احادیث)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"ویحتمل انہ یرید انہ لم یکن فی زمن النبی ﷺ وکل مالم یکن فی زمنہ یسمی بدعۃ لکن منہا مایکون حسنا و منہا مایکون بخلاف ذلک"

(فتح الباری ج ۲ ص ۳۹۴)

"اور یہ احتمال ہے کہ (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما) کا اس کو بدعت کہنے کا وہ مطلب ہو کہ یہ چیز نبی اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں نہ تھی اور جو چیز آپ کے زمانہ میں نہ ہو اس کو بدعت کہا جاتا ہے لیکن ایسی بدعت میں سے کوئی بدعتِ حسنہ بھی ہوتی ہے (یعنی وہ جس کا اصل موجود ہے) جیسے "فیما نحن فیہ" میں ہے۔ اور کوئی اس کے خلاف یعنی بدعتِ سیئہ" (یعنی جس کی اصل بالکل نہ ہو)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

ہمارے خیال میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت کی تغلیط کی بجائے اگر ان دونوں میں اس قسم کی کوئی بہترین صورت تطبیق و توفیق کی اپنالی جائے تو یہ اولیٰ وانسب ہے۔ بصورتِ دیگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد، اگر علیٰ سبیل الانکار ہی تھا اور وہ اس کو بدعتِ سیئہ ہی سمجھتے تھے تب بھی اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس سے کوئی مُضر اثر نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ صحیح بات یہی ہے کہ ایک فرد کے نکل جانے سے اجماع کا انتفاء نہیں ہوتا اور نہ ہونا ہی چاہیے۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا (صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایسے بھی تھے جو یقیناً حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے افضل تھے) نے اذانِ عثمانی کو لے لیا اور اس کو بدعت سمجھ کر اس پر نکیر بھی نہیں فرمائی اور نہ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اس کی وجہ سے کوئی حرف گیری کی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت ہو گیا اس لئے فعلِ عثمانی قطعاً بدعت نہ ہوا۔

بعض حضرات کو بدعتِ حسنہ و بدعتِ سیئہ کی تفریق پر بھی اعتراض ہے ان کا کہنا ہے کہ بدعت سب کی سب سیئہ ہی ہے وہ حسنہ نہیں ہو سکتی ہم باادب گذارش کریں گے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تو بدعت کی حقیقت سے آگاہ تھے لیکن انہوں نے باجماعت تراویح استمرار کے ساتھ پر بھی بدعت کا اطلاق کیا تھا لیکن یہ حضرت بھی اس کو بدعتِ سیئہ نہیں سمجھتے۔ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی "بدعت" کے ساتھ اس کو "نعمت" بھی کہہ دیا یعنی یہ اچھی بدعت ہے، آپ ہی فرمائیں کہ اس کی کیا توجیہہ ہو گی؟

بعض بزرگ حضرات جو اس بات پر مُصر ہیں کہ ایک فرد کے نکل جانے سے بھی اجماع منفی ہو جاتا ہے وہ بھی عجیب تناقض میں مبتلا ہیں۔ ایک جانب وہ عثمانی اذان کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت کے اجماع کو اجماع تسلیم نہیں کرتے محض اس لئے کہ اس جماعت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نکل گئے ہیں۔ لہٰذا اس ایک فرد کے نکل جانے سے اجماع ہے ہی نہیں تو دوسری جانب یہی بزرگ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کہ "ہم نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد "السلام علیک ایہا النبی" کی بجائے "السلام علی النبی" کہنا شروع کیا" کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ ان الفاظ سے اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ثبوت

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

کیسے مل رہا ہے۔ اولاً "ہم نے اس طرح کیا" کے جملے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ یہ سب کے سب صحابہ کا فعل تھا؟ اور یہ بتلایا جائے کہ "ہم نے" کی صحابہ رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت پر دلالت، دلالتِ ثلاثہ مطابقی، تضمنی اور التزامی..... میں سے کون سی دلالت ہے؟ ثانیاً اجماع کا یہ دعویٰ قطعاً غلط ہے اس لئے کہ سننِ کبریٰ (بیہقی) میں صحیح سند سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو تشہد بتایا اور اس میں "السلام علیک ایہا النبی" کے الفاظ ہی کہے۔ اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی سنن کبریٰ للبیہقی اور حدیث کی دوسری کتب میں صحیح سند سے تشہد کے جو الفاظ وارد ہیں ان میں "السلام علیک اَیُہا النبی" ہی مذکور ہے۔ کیا ان دو جلیل القدر صحابیوں کے نکل جانے کے باوجود بھی آپ کا مزعومہ اجماع ثابت ہے دراں حالیکہ آپ ایک صحابی کے نکل جانے سے بھی اجماع کے ثبوت سے انکار کرتے ہیں۔ پھر یہ دو رنگی کیوں؟

بلکہ ہم قارئین کرام کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ حضرات اپنے اس موقف پر، کہ "السلام علی النبی" کہنے پر اجماعِ صحابہ ہے، دلیل کے طور پر چار پانچ (زیادہ سے زیادہ) صحابہ سے زائد کوئی مسند و متصل صحیح السند روایت بھی پیش نہیں کر سکتے پھر یہ اجماع کا دعویٰ کہاں تک درست ہے۔ یہ اہل علم حضرات کے سوچنے کی بات ہے۔ اگر ان باتوں کے باوجود آپ اس پر بضد ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نکل جانے سے اجماع نہیں ہوا تو پھر آپ کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم سب اہل السنت والجماعت جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ﴿الحمد للہ رب العالمین﴾ سے لے کر "من الجنۃ و الناس" تک قرآن کریم ہی ہے اس پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نہیں ہوا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "معوذتین" ﴿قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس﴾ کو مُصحف میں نہیں لکھتے تھے۔ بلکہ ان دو سورتوں کو مصحف سے محو کر دیتے تھے اور اس کے ثبوت میں بہت سی روایاتِ صحیحہ موجود ہیں۔ چنانچہ یہ روایات مسند احمد، زوائد مسند احمد، ابن حبان، مستخرج للاسماعیلی، مستخرج لابی نعیم، مسند حمیدی، طبرانی، ابن مردویہ اور مسند بزار میں موجود ہیں۔

چنانچہ عبدالرحمٰن بن یزیدؒ فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"کان عبداللہ یحک المعوذتین من مصحفہ و یقول انھما لیستا من
کتاب اللہ تبارک و تعالی"

"ابن مسعود اپنے مصاحف میں سے ان (دو سورتوں) کو مٹاتے تھے اور فرماتے
تھے کہ یہ دونوں اللہ سبحانہ و تعالی کی کتاب میں سے نہیں ہیں"

یہ روایت مسند احمد ج۱ ص۱۲۹، طبرانی کبیر رقم ۹۱۵۰، ابن ابی شیبہ ج۱۰ ص۵۳۸ وغیرہ میں موجود ہے۔ عبدالرحمٰن بن یزید" کے علاوہ حضرت ابن مسعود ﷜ سے یہی قول علقمہ" اور زر بن حبیش" نے بھی نقل کیا ہے۔ (ابن کثیر ج۴ ص۵۷۱، ابن ابی شیبہ، المطالب العالیہ ج۳ ص۴۰۲ وغیرہ) علامہ ہیثمی" فرماتے ہیں:

"رجال عبداللہ رجال الصحیح و رجال الطبرانی ثقات"

(مجمع الزوائد ج۷ ص۱۴۹)

"کہ عبداللہ بن احمد کے راوی الصحیح کے راوی ہیں اور طبرانی کے رُواۃ بھی ثقہ ہیں"

امام بزار" نے بھی یہی اثر نقل کیا ہے جس کے الفاظ ہیں:

"انہ کان یحک المعوذتین من المصحف و یقول أمر النبی ﷺ ان
یتعوذ بھما و کان عبداللہ لا یقرأبھما"

"یعنی ابنِ مسعود ﷜ معوذتین کو مُصحف سے صاف کرتے تھے اور فرمایا کرتے
تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان سے تعوذ یعنی دم کا حکم دیا ہے اور عبداللہ ان کو نماز میں
نہیں پڑھتے تھے"

یہ روایت طبرانی میں بھی ہے۔ علامہ ہیثمی" لکھتے ہیں:

رجالھما ثقات (مجمع، ج۷ ص۱۴۹)

یعنی طبرانی اور بزار" کے راوی ثقہ ہیں۔

پھر اس روایت کے بعد امام بزار فرماتے ہیں:

"لم یتابع عبداللہ احد من الصحابۃ و قد صح عن النبی ﷺ انہ قرأ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بهما فی الصلوة و اُثبتا فی المصحف" (المجمع ایضا)

کہ "حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کسی بھی صحابی نے موافقت نہیں کی اور نبی ﷺ سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونوں کو نماز میں پڑھا ہے اور مصحف میں لکھوایا"

اس سلسلہ میں اور بھی روایات ہیں لیکن اس جگہ ان سب کا احصاء مطلوب نہیں۔ بعض علماء مثلاً امام نوویؒ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف اس انتساب کو باطل قرار دیتے ہیں لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

"والطعن فی الروایات الصحیحة بغیر مستند لا یُقبل"

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۴۳)

"یعنی ان روایاتِ صحیحہ میں بغیر دلیل کے اعتراض قابل قبول نہیں"

اسی طرح علامہ سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن کے صفحہ نمبر۷۹ پر علامہ نوویؒ کے اس قول کی تردید حافظ ابن حجرؒ سے نقل کی ہے اور اس سے پیشتر صفحہ نمبر۶۵ پر لکھتے ہیں:

ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں ایک سو بارہ سورتیں ہیں۔ بعض علماء نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس بات کی یہ تاویل کی ہے کہ ابن مسعود نے معوذتین کا قرآن میں ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ ان دو سورتوں کو مصحف میں لکھنے سے انکار کیا وہ آنحضرت ﷺ کی اجازت کے بغیر مصحف میں کسی سورت کو لکھنا صحیح نہیں سمجھتے تھے اور انہیں اس کی (معوذتین کے لکھنے کی) اجازت نہیں پہنچی تھی۔

اس پر حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"هو تاویل حسن الا ان الروایة الصحیحة التی ذکر تها تدفع ذلک"

(فتح الباری ج ۸ ص ۷۴۳)

"یہ تاویل تو بہتر ہے مگر جس صحیح روایت کا میں نے ذکر کیا ہے یقیناً اس سے اس تاویل کی تردید ہوتی ہے"

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا تھا۔

یہاں پہنچ کر ہم ان حضرات سے عرض کریں گے کہ اگر وہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے نکل جانے سے قرآن کریم کے متعلق بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نہیں ہوا۔

اسی طرح حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے تخلّف سے بھی آپ یہی نتیجہ نکالنے کے لئے تیار ہیں تو چلیں اذانِ عثمانی کے متعلق بھی یہی فرماتے رہیں کہ اس پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نہیں ہوا، لیکن اس صورت میں آپ کو یہ حق نہیں کہ دوسروں کو بھی اپنے اس موقف کا پابند بنانے کی سعی فرمائیں اور اگر حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے خروج کے باوجود آپ قرآنِ کریم پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کے مُعترف ہیں اور صرف حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے تخلف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کا انکار نہیں کرتے تو از روئے انصاف بتایئے کہ صرف ایک حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے اذانِ عثمانی کے بارے میں بدعت کہنے سے اجماعِ صحابہ کے انتفاء کی کون سی معقول وجہ ہے؟

بہرکیف ہم یقین رکھتے ہیں کہ اذانِ عثمانی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا تھا اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا ہے تو یہ حجت ہے اور اذانِ عثمانی بدعت یا "احداث فی الدین" نہ ہوئی بلکہ مندوب و مشروع ٹھہری۔

آپ اس پر عمل کرنا نہیں چاہتے تو نہ کیجئے لیکن دوسروں پر تو اس طرح کی بے تحاشا نکیر نہ فرمائیں اور اس دُھن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد رضی اللہ عنہ کی جانب دبی زبان میں احداث فی الدین کے انتساب سے بھی پرہیز کریں، یہ آپ جیسے اہل علم حضرات کے لئے (میرے نزدیک) قطعی طور پر مناسب نہیں۔

مولانا عبید اللہ صاحب، حفظہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ آخر قسط میں فرماتے ہیں:

"بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع حجت ہے مگر اذان عثمانی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ثابت نہیں ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امام زہریؒ، امام حسن بصریؒ، ایسے فقہا تابعین اس کو بدعت اور محدث نہ گردانتے اور امام شافعیؒ ایسے مجتہد اس کے خلاف رائے قائم نہ کرتے.... الخ"

(الاعتصام: ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ.... صفحہ ۱۲ کالم ۱)

یہ اقتباس مولانا جیسے محقق کی شان سے بہر احل بعید ہے۔ مولانا کی عبارت سے صاف عیاں ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ دونوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اذان کو بدعت و محدث قرار دینے والے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ نہ شیخ البانی نے اور نہ ہی حضرت مولانا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کوئی ایسا قول نقل فرمایا ہے جس میں یہ ہو کہ وہ اذانِ عثمانی کو بدعت کہتے تھے اگر ایسا کوئی ان کا قول باسند صحیح موجود ہے تو برائے نوازش ہمیں دِکھا کر ہماری معلومات میں اضافہ فرمائیں۔

اگر وہ بالفرض ایسا کہتے تھے تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر نکیر کیوں نہ کی؟ دراصل مولانا کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب یہ انتساب محض اس نقل پر مبنی ہے جو تفسیر قرطبی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن ثابت نہیں کیا جاسکا۔ اس کی کوئی سند ابھی تک تو ہمیں مل نہیں سکی لہٰذا ایسی روایت یا ایسے اثر کو محض یہ دیکھ کر کہ یہ ایک جلیل القدر مفسر کی کتاب میں ہے اس پر اعتماد رکھ کر بغیر سند کی تحقیق کے اس قسم کا انتساب کہاں تک صحیح ہے یہ فیصلہ اہل علم خود فرمائیں ایسے معرکۃُ الاراء مسائل پر محض حُسنِ ظن سے کام نہیں لیا جاسکتا بلکہ مدعیان حضرات کو سب سے پہلے اس کی سند پیش کرنی چاہیے تھی۔ اگر اس کی سند صحیح ہوتی تو اس سلسلہ میں انہیں کچھ کہنے کی بلاشبہ گنجائش تھی۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر کی کوئی بھی سند نہیں۔ مزید اس کے بارے میں مذکورہ بالا صفحات میں ہم کافی کچھ عرض کر آئے ہیں۔

رہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تو ان کے بارے میں بھی اپنی گذارشات قارئین کرام کے سامنے پیش کر چکے ہیں۔ امام حسن بصری والی روایت میں بے شک "بدعت و محدث"

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کے الفاظ ہیں لیکن محدثانہ اصول پر اس اثر کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس لئے کہ اس کی سند میں ھشیم بن بشیر ہے اور یہ تیسرے مرتبہ کا مدلّس ہے۔ (دیکھئے "طبقات المدلّسین" للحافظ ابن حجرؒ)۔ اور تیسرے مرتبہ کے مدلسین کی روایات جب تک وہ سماع کی تصریح نہ کریں مقبول نہیں ہوتیں اور یہاں وہ تصریح سماع نہیں کرتے بلکہ "عَنْ" سے روایت کرتے ہیں۔ دیکھئے ("المصنف لابن ابی شیبہ" .....) پھر "فنِ رجال" کی کتب (التہذیب وغیرہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ "ھشیم بن بشیر" کی ولادت سن ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ میں ہوئی اور امام حسن بصریؒ ۱۱۱ھ میں وفات پاچکے تھے لہٰذا ایسے صغیر بچہ کا امام حسن بصریؒ سے سماع ناممکن تو نہیں لیکن بعید ضرور ہے اس وجہ سے یہ روایت منقطع ہے اس لئے ضعیف بھی ہوئی۔ لہٰذا اس اثر کو تو سرے سے معرضِ استدلال میں پیش کرنا ہی صحیح نہیں۔

رہے امام زہری تو ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :

"............فأحدث أمير المؤمنين عثمان التأذينة الثالثة على الزوراء ليجتمع الناس"

"پھر امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان کو نئے سرے سے بڑھایا جو زوراء کے مقام پر دی جاتی تھی تاکہ لوگ (خطبہ و نماز) کے لئے مجتمع ہو جائیں"

اس اثر میں بھی بدعت کا لفظ تو اصلاً نہیں ہے، صرف یہ لفظ "فأحدث" ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس ہیئتِ کذائیہ کے لحاظ سے یہ اذان نیا کام تھا اور یہ ہم بھی مانتے ہیں لیکن چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل مستنبط من النص تھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع بھی ہوگیا تھا (کمامرّ) لہٰذا یہ بدعتِ سیئہ نہ ہوا۔ پس صرف اس بات کو لے کر امام زہریؒ کو بھی اذانِ عثمانی کو بدعت قرار دینے والوں کے زمرہ میں داخل کرنا صحیح نظر نہیں آتا۔ آپ خود انصاف کرسکتے ہیں!

اسی طرح امام عالی مقام حضرت امام شافعیؒ کو بھی اذان عثمانی کے خلاف رائے رکھنے والا سمجھنا بھی محل نظر ہے۔ خود مولانا موصوف نے (الاعتصام ۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ قسط دوم صفحہ ۱۵) پر جو امام شافعیؒ کی عبارت "کتاب الأم" سے نقل فرمائی ہے۔ اس کی ابتداء میں یہ الفاظ ہیں :

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

توجیہ الکلام بمالا یرضی بہ قائلہ) کو صرف اِس لئے اپنایا جارہا ہے کہ بلا تحقیق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کو صحیح تصور فرمالیا گیا ہے اور اس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع کی زبردستی نفی کی جارہی ہے۔ فالی اللہ المشتکی!!"

یہ تاویلِ قابلِ توجہ تب ہی بن سکتی تھی جب یہ الفاظ (فثبت الامر علی ذلک) امام بخاری وغیرہ کے ہوتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ یہ الفاظ یا تو حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے ہیں یا پھر امام زہریؒ کے جیساکہ حدیث کے سیاق سے ظاہر و باہر ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ان الفاظ کا یہ مطلب قطعاً صحیح نہیں بن سکتا جیساکہ اس کی وضاحت ہم پہلے اچھی طرح کرچکے ہیں لہٰذا یہ تاویل ﴿لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ﴾ کے مترادف ہے۔ اسی سلسلہ میں مولانا موصوف نے حافظ ابن عبدالبرؒ سے امام مالکؒ کی تصریح بھی نقل فرمائی ہے ان کے الفاظ اس طرح ہیں:

"عن مالک بن أنس الامام ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم" (عون المعبود)

"امام مالکؒ بن انس سے روایت ہے کہ اذان جو امام کے سامنے (منبر کے نزدیک) دی جاتی ہے وہ قدیم بات نہیں بلکہ بعد میں اس کا رواج پڑا"

امام مالکؒ کی یہ بات صحیح ہے کیونکہ یہ سنت کے خلاف ہے۔ چنانچہ ابوداؤد، طبرانی وغیرہ میں بطریق ابن اسحاق عن الزہری اسی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

"ان بلالا کان یؤذن علی باب المسجد..... فتح الباری وغیرہ"

"بے شک حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان دیا کرتے تھے"

اس طریق میں گو ابن اسحاق مدلّس ہے اور روایت "عَنْ" سے کرتا ہے۔ لیکن اسی ابن اسحاق کے طریق سے امام احمدؒ کی مسند میں زہریؒ سے یہی روایت موجود ہے اور اس میں ابنِ اسحاق سماع کی تصریح کرتا ہے، لہٰذا تدلیس کا شُبہ باقی نہ رہا۔ بعض علماء نے یہ اعتراض کیا ہے کہ امام احمدؒ بن حنبل کی مسند میں، جو ابنِ اسحاق کی روایت ہے، اس میں اگرچہ سماع کی تصریح موجود ہے لیکن اس مُصرح بالسماع روایت میں یہ زیادت (علی باب المسجد) موجود نہیں لہٰذا یہ محلِّ نظر ہے

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

لیکن چونکہ یہ حدیث ایک ہی ہے اور مخرج واحد ہے اور ابن اسحاق کے سوا اور سب رواۃ ثِقہ ہیں نیز ابن اسحاق سماع کی تصریح بھی کر رہا ہے تو یہ زیادۃ الثقہ ہے جو دوسری روایات کے منافی نہیں۔

(غور فرمائیے) اس لئے یہ زیادت مقبول ہوگی (کما لا یخفی علی أھل العلم بأصول الحدیث) بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں یہ اذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسجد کے دروازہ پر دیا کرتے تھے۔ اور بعد میں بھی یہی دستور رہا۔ اسی لئے بعد میں جب اس اذان کو امام کے سامنے منبر کے پاس کر دیا گیا تو یہ نیا رواج ہوا۔ قدیم دستور جو مسنون تھا وہ نہ رہا اور حضرت امام مالکؒ نے بھی اسی پر نکیر فرمایا ہے نہ کہ عثمانی اذان پر، اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ اذان جو خطبہ کے وقت دی جاتی ہے وہ مسجد کے دروازہ پر دی جانی چاہیے اور لاؤڈ اسپیکر کے مائیک اسٹینڈ کی وائر بیس پچیس فٹ لمبی ہوگی تو آسانی سے یہ اذان مسجد کے دروازہ پر دی جاسکتی ہے۔ امام مالک کے اس ارشاد میں فیما نحن فیہ کے متعلق کچھ بھی نہیں ہے اور جو کچھ ہے، وہ موضوعِ بحث نہیں۔

حضرت مولانا نے امام ابنُ الحاج کی تحقیق بھی "عون المعبود" سے نقل فرمائی ہے:

"ان السنة فی أذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلک کان علی عهد النبی ﷺ و أبی بکر و عمر و صدراً من خلافة عثمان رضی اللہ عنہ .... قال علمائنا: سنة النبی ﷺ أولی ان تتبع فقد بان ان فعل ذلک فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة"

"بے شک جمعہ کی اذان کی سنت یہ ہے کہ جب امام منبر پر چڑھ بیٹھے تو یہ مؤذن کو منار (بلند مقام) پر ہونا چاہیے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی ابتداء خلافت میں تھا............ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کا اتباع ہی اولیٰ و بہتر ہے کیونکہ یہ ظاہر ہوچکا ہے کہ (جمعہ کے دن) مسجد میں خطیب کے سامنے (منبر کے نزدیک) اذان دینا بدعت ہے"۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

قارئین کرام! آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اس عبارت میں بھی خطیب کے سامنے مسجد کے اندر اذان دینے کو بدعت کہا گیا ہے نہ کہ اذانِ عثمانی کو مطلقاً (فأین هذا مما نحن فیه؟)۔

پھر نبی اکرم ﷺ کی سنت سے بھی اشارہ اسی طرف ہے کیونکہ ابتداء عبارت میں یہ موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں مؤذن منار (بلند مقام) پر اذان دیتا تھا، اس میں بھی اذانِ عثمانی کے متعلق کچھ بھی کلام ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں اس کو بھی اولیٰ کہا ہے اور خلافِ اولیٰ ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ بدعت بھی ہے۔ آپ بھی اس پر غور فرمائیں۔ اسی طرح حضرت مولانا شمس الحق ڈیانوی" کی عبارت جو عونُ المعبود سے نقل فرمائی گئی ہے اس سے بھی پوری طرح واضح ہے کہ اذان کا انکار خطیب کے بالکل نزدیک مسجد میں دینے پر ہے نہ کہ مطلق اذانِ عثمانی پر۔ اور پہلی بات ہمارے زیر بحث نہیں۔

مزید علامہ البانی، احمد محمد شاکر مرحوم اور دورِ حاضر کے علماء کی عبارات کو دو تین بار دہرایا گیا ہے میں ان پر خامہ فرسائی کرکے بات کو طول دینا نہیں چاہتا صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ "هم رجال و نحن رجال والامر بيننا وبينهم سجال"

بہرحال جہاں تک میرے ناقص علم کا تعلق ہے تو حضرت مولانا عبیداللہ صاحب حفظہ اللہ نے اس سلسلہ میں کوئی ایسی قاطع، اطمینان بخش دلیل پیش نہیں فرمائی جس سے ان کا "دعویٰ" مُبرھن ہو کر ہمارے سامنے آجاتا صرف اِدھر اُدھر کی عبارات نقل فرمائی گئی ہیں جو قطعاً قاطع نہیں بن سکتیں اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا جارہا ہے کہ اذانِ عثمانی ایک ہنگامی ضرورت تھی جو مدینہ کی آبادی بڑھ جانے، منازل کے دور ہو جانے اور لوگوں کی کثرت کی وجہ سے بڑھائی گئی کیونکہ پہلی اذان لوگوں کی آبادیاں دور ہو جانے کی وجہ سنائی نہیں دیتی تھی اس لئے دور سے آتے آتے ان سے پہلے نماز بھی ختم ہو جاتی چونکہ یہ ضرورت اب باقی نہیں رہی اسی لئے اب اس کو ختم ہو جانا چاہیے۔

اس سلسلہ میں ہماری معروضات یہ ہیں:

(الف) یہ مسلّم امر ہے کہ یہ اذان شروع تو لوگوں کی کثرت اور مسجد نبوی ﷺ سے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

لوگوں کی آبادیوں کے دور ہو جانے کی وجہ سے ہوئی تھی لیکن بعد میں یہ بات سب اسلامی شہروں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور ہی میں رواج پا گئی۔ جس پر "فثبت الامر علی ذٰلک" کے الفاظ وضاحت سے دلالت کر رہے ہیں۔ اس کے بارے میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ تاویل یہاں نہیں چل سکتی۔ حدیث کا سیاق اس سے انکار کرتا ہے۔

(ب) اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا تھا جس پر بھی یہی مذکورہ الفاظ دلالت کرتے ہیں چنانچہ علامہ قسطلانیؒ اور علامہ عینیؒ نے ان الفاظ کی شرح کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ اذان عثمانی پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو گیا تھا۔ (دیکھئے ارشادُ الساری و عمدۃُ القاری)۔ حافظ ابنِ حجرؒ کے الفاظ سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری) اور اس پر حدیث کے یہ الفاظ بھی دالّ ہیں کہ "فلم یعب الناس ذٰلک علیہ" کہ لوگوں نے اس اذان کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حرف گیری نہیں کی۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کے بارے میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں۔ رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ والا اثر تو وہ ابھی تک کسی سند صحیح سے ثابت نہیں کیا گیا لہٰذا اس کو معرض استدلال میں پیش فرمانا علماء محققین کی شان سے بعید ہے۔ پھر اس پر یہ سوال بھی وارد ہوتا ہے کہ جب اس سلسلہ میں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متفق نہیں تھے تو ان کو کیوں اس سے روکنے کی کوشش نہیں فرمائی؟ حالانکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے بارُعب خلیفہ کو بھی دیوانیہ عورت کو رجم کرانے سے روک لیا۔

پھر اگر کسی وجہ سے وہ یہ فریضہ بجا لا نہ سکے تو اپنے دورِ حکومت میں صرف کوفہ ہی کو اس بدعت (علی زعمکم) سے کیوں نجات دلائی حالانکہ مدینہ منورہ زیادہ اس بات کا مستحق تھا اس بات کا کیونکہ وہ بھی ان کی قلمرو میں شامل تھا؟

کیا مدینہ منورہ کو اس اذانِ عثمانی سے نجات دلانے کے اقدام سے وہ ڈرتے تھے؟ اور اگر ڈرتے تھے تو کیوں اور کس سے؟ ان سب سوالات کے حل کے بغیر بات نہیں بن سکتی۔

بہر کیف صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہو گیا اور اس اجماع سے بظاہر صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مستثنیٰ ہیں۔ ہم پہلے تفصیل سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور بقیہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

© rasailojaraid.com
www.KitaboSunnat.com

مابین تطبیق کی صورت بھی پیش کر چکے ہیں اور اگر توفیق نہیں بن سکتی تب بھی اس ایک فرد کے خروج سے اجماع کی ثبوت میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا (کما مر تفصیلہٗ)

(ج) جمعہ کے دن اول ساعتوں میں مسجد میں آنے کی ترغیب اور اَجر و ثواب، احادیثِ صحیحہ میں وارد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم پہلی گھڑیوں میں مسجد میں آیا کرتے تھے اور نوافل پڑھتے رہتے تا آنکہ آنحضرت ﷺ خطبہ کے لئے تشریف لاکر منبر پر بیٹھتے۔ لہٰذا جب آپ حضرات کے خیال میں اس اذان عثمانی کی یہ حالت تھی کہ باین ہمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں اس اذان کو وہ قبول عام حاصل نہ ہو سکا جو کہ متورث اور خالص مسنون اذان کو حاصل ہے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دار الخلافہ کوفہ شہر میں اس کو نظر انداز کرکے ایک اذان پر اکتفاء نہ فرماتے"

(الاعتصام صفحہ ۷ کالم ا.....قسط ثالث)

یعنی جب اذان عثمانی کو قبول عام نہ ہو سکا، جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے متفق نہ ہوئے اور اس "احداث" کو انہوں نے صحیح نہیں سمجھا۔ اس لئے اس کو عملاً بند بھی کرا دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آخر اس "احداث" کی کیا ضرورت پڑی تھی دراں حالیکہ اس ہنگامی مقصد کے لئے متبادل صورتیں موجود تھیں؟

مثلاً وہ لوگوں کو جمع کرکے سمجھا دیتے کہ وہ جمعہ کے دن زوال سے پیشتر ہی اپنی آبادیوں سے نکل کر مسجد کی طرف روانہ ہو جائیں تاکہ جیسے ہی زوال ہو اور اذان شروع ہو جائے تو وہ ابتداء ہی سے خطبہ کا استماع بھی کر سکیں اور نماز میں شامل ہو جائیں۔ وہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے مُطاع الامر تو تھے ہی، ان کے اس تاکیدی امر سے اکثر لوگ تو خطبہ و نماز جمعہ کو آسانی سے پالیتے، ہاں جو دینی شعاروں کی ادائیگی میں کاہل ہوتے ہیں ان کے لئے تو کوئی بات بھی کارگر نہیں ہو سکتی۔ یا پھر لوگوں کو آنحضرت ﷺ کی وہ احادیث صحیحہ جن میں پہلی گھڑیوں میں آنے کا اجر و ثواب و فضائل مذکورہ ہیں، سنا کر رغبت دلاتے اور امر فرماتے کہ وہ پہلی گھڑیوں میں مسجد کی طرف آیا کریں اس طرح بھی یہ ہنگامی ضرورت پوری ہو سکتی تھی۔ پھر بلاوجہ اس "احداث" کی کون سی وجہ

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

جواز تھی؟ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان متبادلہ صورتوں کو چھوڑ کر اذان کا آغاز کرنا اور لوگوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کا ان پر نکیر نہ کرنا بلکہ اس پر ان کا اجماع ہو جانا اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ اذانِ عثمانی آنحضرت ﷺ کی سنت سے مستنبط تھی اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس کو اصولِ شرعیہ کے ماتحت اور شرعی تقاضوں کو پورا کرنے والی تصور فرما کر اس پر اجماع کر لیا، یعنی انہوں نے سمجھا کہ دوسری صورتوں سے زیادہ یہ اذان شرعی تقاضوں کو پورا کرنے والی ہے لہٰذا اس کو ہی تسلیم کر لیا گیا اور یہ مقبول عام و خاص ہو گئی (یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ والا اثر جو بار بار حضرت مولانا صاحب پیش فرما رہے ہیں ابھی تک ثابت نہیں ہوا)

(د) یہ کہنا بھی چنداں صحیح نہیں کہ اب یہ ضرورت باقی نہیں رہی۔ جو لوگ جمعہ کے دن پہلی گھڑیوں میں آنے کے شائق ہوتے ہیں وہ تو خطبہ کے وقت والی مسنون اذان سے بھی کافی پہلے آجاتے ہیں لیکن سب لوگ ایسے نہیں ہوا کرتے۔ بعض کاروباری لوگ ہوتے ہیں جو کاروبار میں مصروف رہتے ہیں حتی کہ جب یہ خطبہ والی اذان سنتے ہیں تب اُٹھتے ہیں اور تیار ہوتے ہیں۔ پھر اس وقت پہنچتے ہیں کہ خطبہ قریب الاختتام ہوتا ہے یا اگر آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق (کہ خطبہ کو چھوٹا کرنا نماز لمبی کرنا آدمی کی دینی فقاہت کی علامت ہے) اگر خطیب خطبہ تھوڑا کرتا ہے تو خطبہ سارا ہی ان لوگوں سے فوت ہو جاتا ہے بلکہ کبھی تو نماز کی بھی آخری رکعت میں آکر شامل ہوتے ہیں۔ گاؤں کی کیفیت (کم از کم ہمارے سندھ میں) یہ ہے کہ چند گاؤں میں ایک گاؤں کو (کسی نہ کسی وجہ سے) مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور اطراف و نواح کے لوگ اسی گاؤں میں آکر جمعہ ادا کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اذان سے قبل اپنے کاروبار یا حلال رزق کی طلب سے ممانعت نہیں فرمائی، لہٰذا یہ لوگ اذان تک تو اپنے کاموں میں مصروف رہتے ہیں جب اذان سنتے ہیں تو چلنے کی تیاری کرتے ہیں۔ اذان سے کافی وقت پیشتر آنے والے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اب اگر اسی خطبہ والی اذان پر اکتفاء کیا جاتا ہے تو لوگ جب اذان سن کر تیاری کر کے آئیں گے تو وہ خطبہ کیا سنیں گے اور نماز میں کس وقت آکر شامل ہوں گے۔ یہ بات میرے کہنے کی نہیں ہر ایک ذی شعور بخوبی جان سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

بہرحال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھ لیا کہ یہ ضرورت جو اس وقت لاحق ہوئی ہے اور آئندہ زمانہ میں بھی لاحق ہوگی شرعی تقاضوں کے مطابق پورا کرنے کے لئے یہ اذان ہی اَنسب و اولیٰ ہے نہ کہ کوئی اور متبادل صورت اس لئے انہوں نے اس اضافہ پر نکیر نہ فرمائی بلکہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے موافقت کرلی اور یہ اذان سب اسلامی شہروں میں ثابت و قائم ہوگئی۔

(ہ) یہ جو کہا جاتا ہے کہ اذانِ عثمانی اور خطبہ کے وقت کی اذان کے درمیان تھوڑا سا وقت تھا اس میں بھی مبالغہ ہے اگر ایسا ہوتا تو جس مقصد کے لئے اس کا آغاز ہوا وہ قطعاً پورا نہ ہوسکتا تھا یعنی مثلاً اگر اذانِ عثمانی اور اذانِ خطبہ کے درمیان چار یا پانچ منٹ کا ہی وقفہ تھا تو آپ ہی بتائیں اس طرح وہ لوگ جن کے اعلان کے لئے اس اذان کا آغاز ہوا، وہ کیونکر ابتداءِ خطبہ میں پہنچ سکتے، وہ اڑ کر تو آ نہیں سکتے تھے، پھر اس اضافہ سے فائدہ؟

بلکہ ان دونوں اذانوں میں نصف گھنٹہ یا بیس پچیس منٹ کا وقفہ لازماً ہوگا یا ہونا چاہیے تاکہ جس غرض کے پیشِ نظر اس کا آغاز ہوا وہ بصورت اَتم پورا ہوسکے۔ یہ بھی بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہمارے اہل حدیث علماء صحیح حدیث کے ان الفاظ (ان ینزل هذا ویرقی هذا) کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس میں بھی مبالغہ ہے۔

ایک کے اترنے دوسرے کے چڑھنے کے درمیان کم از کم پندرہ منٹ تو ہونے چاہئیں اگر اتنا وقفہ ہوگا تو لوگ اذانِ عثمان سن کر چلنے کی تیاری کریں گے تو آسانی کے ساتھ خطبہ کے وقت جو اذان ہوگی اس کو پالیں گے یا زیادہ سے زیادہ خطبہ کی ابتداء ہی میں آجائیں گے اس طرح خطبہ کا استماع بھی کما حقہٗ ان کو میسر ہوگا اور نماز بھی بدرجہ اَتم جماعت کے ساتھ مل جائے گی۔

خلاصۂ کلام:

اگر ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر غور و تدبر کیا جائے اور عدل و انصاف کا دامن تھاما جائے تو ماننا پڑے گا کہ عثمانی اذان کی اس وقت بھی ضرورت ہے۔ اگر یہ چیز ایسی ہی فضول اور غیر

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ضروری بلکہ بدعتِ سیئہ ہوتی تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بہترین عہد میں اس کو یہ قبولِ عام و خاص ہرگز حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس اذانِ عثمانی کو اس وقت کے پورے بلادِ اسلامیہ میں رواج پاجانے اور ثابت رہ جانے کی سعادت مرحمت فرماتا اور وہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی خیرامت کے بابرکت عہد میں۔

بعض حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو یہ اذان "زوراء" کے مقام پر دینے کا حکم فرمایا تھا۔ آپ اگر ان کی سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو بھی باہر کسی بلند جگہ پر یہ اذان دینی چاہیے۔

ان حضرات کی خدمت میں باادب یہ گذارش ہے کہ اذانِ عثمانی کو تو چھوڑیئے خود آپ حضرات نے بھی دوسری اذانوں کے سلسلہ میں خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک کی سنت کلّی طور پر ترک کردی ہے۔ صحیح حدیث میں جو یہ الفاظ وارد ہیں کہ (ان ينزل هذا و يرقى هذا) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رسالتماب ﷺ کے زمانے میں اذان کسی اونچی جگہ پر دی جاتی تھی لیکن آپ حضرات نے اس سنت کو کلیۃً ترک کرکے مسجد میں ہی رکھے ہوئے لاؤڈ سپیکر کے مائیک سٹینڈ کے سامنے دینی شروع کر رکھی ہے۔ ادھر تو آپ اتنی اتنی جزئیات کے بارے میں ہم پر مؤاخذہ فرماتے ہیں لیکن خود اگر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی سنت کی جگہ ایک دوسری صورت اختیار فرمالیں تو آپ پر کوئی مواخذہ نہیں فیاللعجب! خود را فضیحت دیگراں را نصیحت!

یہ کیسا قول و عمل کا تضاد آپ نے اپنا رکھا ہے۔ پھر ہمارے یہ مہربان یہی جواب دیتے ہیں کہ کسی بلند مکان پر چڑھ کر اذان دینا اس لئے تھا کہ آواز دور دور تک پہنچ سکے، چونکہ یہ ضرورت اب آلہ "مکبرۃ الصوت" کی موجودگی میں پوری ہو جاتی ہے، اس لئے بلند مکان پر صعود و نزول کی ضرورت باقی نہ رہی لیکن ساتھ ہی دوسروں پر بے تحاشا اعتراض کرتے ہوئے انہیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ دوسروں سے عدل و انصاف آج کل قلیل کالمعدوم ہوگیا ہے فالی اللہ المشتکی

بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی سنت کا بھی ہم کسی حد تک لحاظ کر رہے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں خطبہ کے وقت جو اذان دی جاتی تھی وہ مسجد کے دروازہ پر

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

دی جاتی تھی (کما مر مفصلاً) اسی طرح ہم بھی اسی اذان کو مسجد کے دروازہ کے پاس دلواتے ہیں اور وہ اس طرح کہ مائیک اسٹینڈ کی وائر اتنی لمبی لگائی جاتی ہے کہ مائیک اسٹینڈ دروازہ تک پہنچ جائے۔ اس سے کچھ نہ کچھ سنت پر عمل ہو جاتا ہے۔ جو کہ صرف زیادہ سے زیادہ جذبۂ اتباعِ سنت کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

ہمارے نزدیک اذانِ عثمانی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم دین میں حجت ہے۔ اس اجماع کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جا رہا ہے اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بالتفصیل مذکور ہو چکا۔ اور مزید یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل مستنبط من النص ہے۔ ان کا اجتہاد و استنباط صحیح تھا اور شرعی تقاضوں کے عین مطابق بھی۔ اسی لئے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ان پر اس وجہ سے حرف گیری نہیں کی جیسا کہ "فلم یعب الناس ذلک علیہ" کے الفاظ اس پر دال ہیں۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل کے آغاز کے بعد یہ عمل اس دور کے پورے عالم اسلام میں مروج ہو کر ثابت و قائم ہو گیا ہے۔ بعد کے خلفاء میں سے بھی کسی نے اس کو بند نہیں کیا اس سلسلہ میں جو اثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب ہے وہ بے سند ہے لہٰذا وہ کسی اعتناء کے قابل نہیں، صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اذانِ عثمانی کو بدعت کہنا اگر بدعتِ سیئہ پر محمول بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی وہ اجماع کے وقوع میں اثر انداز نہیں، (کما مرّ تفصیلہٗ) ان وجوہ کی بناء پر اذان عثمانی مندوب و مشروع پہلے بھی تھی۔ اور اب بھی مندوب و مشروع ہے۔ جو اس پر عمل پیرا نہیں ہیں ان کے متعلق بھی ہم کچھ نہیں کہتے۔ ہر ایک اپنے علم اور صحیح اجتہاد کے اتباع کا مکلّف ہے۔ اگر ہم سب کی نیّات صحیح ہیں تو ہر ایک کو اپنے اجتہاد پر اجر بہرحال ملے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اگر اجتہاد صحیح و صواب ہوا تو دو اجر ورنہ ایک اجر تو ہر حال میں ملے گا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ اس اذانِ عثمانی کی اس وقت بھی معقول ضرورت ہے اسی لئے ہم اذان نہ دینے سے دینے کو بہرحال بہتر و اولیٰ سمجھتے ہیں

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ